ایک پُراسرار رابطہ-وحی

آیۃ اللہ پروفیسر سید کاظم نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ سچے دعوے دارانِ نبوت کے لئے ضروری ہے کہ وہ خداوند عالم کی ذات سے کسی قسم کا خصوصی رابطہ رکھتے ہوں، اسی ارتباط کی بناء پر وہ سمجھ سکیں گے کہ انھیں نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا گیا ہے، اسی ارتباط کے راستے سے انھیں حقائق کا علم حاصل ہوگا، یہی ارتباط انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سدھارنے کے لئے انھیں منشاء الٰہی کے مطابق اصول و قوانین پر محیط اور حاوی بنائے گا۔

اس مخصوص رابطے کو علم کلام کی اصطلاح میں ''وحی'' کہا جاتا ہے۔ یہ انبیاء و مرسلین کی زندگی کے انتہائی پراسرار رخوں میں سے ایک رخ ہے۔

زبان عربی میں لفظ ''وحی'' کے کئی معنی ہیں، ہلکی آواز، چپکے سے بات کرنا، کسی کی طرف اشارہ کرنا۔

اس لفظ کے موارد استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔

''وحی تکوینی'' اور ''وحی تشریعی''

''وحی تکوینی'' درحقیقت ان فطری صفات، طبعی رجحانات اور باطنی صلاحیتوں کا نام ہے جو خداوند عالم کے دست قدرت نے مختلف موجودات کے خمیر میں قرار دی ہیں، یقیناً ایسے مقامات پر لفظ وحی کے استعمال کو مجاز و تشبیہ کی ایک قسم سمجھنا چاہئے یہاں موجودات کے اندرونی رموز کی خلقت کو ایک ہلکی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ۔

''تمہارے اوپر پروردگار نے شہد کی مکھی کو ''وحی'' فرمائی کہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے مکانوں میں اپنے رہنے کے لئے گھر تیار کرے۔'' (سورۂ نحل)

کھلی ہوئی بات ہے کہ شہد کی مکھی کو وحی کرنے کا مقصد یہی ہے کہ خداوند عالم نے اس کے سراپائے وجود میں مخصوص قسم کی صلاحیتیں پیدا کی ہیں۔

''وحی تشریعی'' وحی کی وہ خاص قسم ہے جس کا تعلق انبیاء و مرسلین سے ہوا کرتا ہے، ہمیں جس وحی کے بارے میں فی الحال کچھ شرح کرنا ہے وہ یہی وحی تشریعی ہے۔

البتہ ہر صاحب ذوق کی دلی خواہش ہے کہ وہ اس پر اسرار رابطے کی حقیقت کو سمجھے جو خداوند عالم اور اس کے انبیاء کے درمیان وحی کے نام سے قائم ہوتا ہے، واقعاً یہ سوچنے کے قابل بات ہے کہ ایسا کیونکر ممکن ہے کہ اس عالم مادی میں گھری ہوئی ایک مخلوق ایک ایسی ہستی سے ارتباط پیدا کرے جو ہر طرح کے مادے اور مادّیات سے بالکل

منزہ اور مبرّ اہو۔

کیا وحی کے موقع پر کوئی خاص رابطہ روح پیغمبر اور ذات واجب الوجود کے درمیان قائم ہوجایا کرتا تھا۔ اور پیغمبر راہ راست حقائق ومعارف کو ان الہامات کے ذریعہ جان لیا کرتے تھے جو ان کے قلب پر ہوا کرتے تھے؟ کیا ہم بھی اس رابطے کی کیفیت کا پورا پورا تصور کر سکتے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وحی اس قلبی الہام سے مختلف ہو، وحی کا مطلب یہ ہو کہ جب خداوندعالم اپنے کسی بندے کو کوئی ہدایت کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے فرشتے کو پیغمبر کے پاس اپنے مخصوص پیغامات کے ساتھ بھیج دیتا ہے، خداوندعالم اور اس نبی کے درمیان رابطہ یہی فرشتہ ہوا کرتا ہے یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتہ کیا چیز ہے؟ خود وہ خدائی پیغامات کو کس طرح حاصل کرتا ہے؟

کیا نہیں ہوسکتا کہ بموقع وحی خدا پیغمبر کے گرد فضا میں کچھ امواج صوتی خلق فرما دیتا ہو اور اس راہ سے اپنے ضروری ہدایات پیغمبروں تک پہنچا دیتا ہو؟ کیا ان امواج صوتی کو ذات نبی کے علاوہ دوسرے عام لوگ بھی سن سکتے تھے؟

اس بحث میں مذکورۂ بالا کثیر سوالات پیدا ہوتے ہیں، انبیاء ومرسلین کے حالات زندگی کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ذات تک خداوندعالم کے پیغامات تینوں راستوں سے پہنچا کرتے تھے، انبیاء کے قلوب پر الہام بھی ہوتا تھا، فرشتے نازل ہوکر بھی خداوندعالم کی پیغام رسانی کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے، امواج صوتی کو ایجاد کرکے بھی خدا اپنے مخصوص بندوں کو ہدایت فرمایا کرتا تھا۔

فی الحال یہاں جن مسائل کی تحقیق اور توضیح مقصود ہے وہ مندرجہ ذیل امور ہیں:

۱۔ وحی کے پر پیچ مسئلے کو کس حد تک حل کیا جاسکتا ہے؟
۲۔ قدیم فلاسفہ کے وحی کے بارے میں کیا خیالات تھے؟
۳۔ وحی کے متعلق جدید فلاسفہ کا نظریہ۔
۴۔ کیا وحی نبوغ فکری کا دوسرا نام ہے؟

۱۔ کس حد تک حل کیا جاسکتا ہے؟

اس بحث میں سب سے پہلے اس امر پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مخلوق خداوندعالم کی ذات واجب الوجود سے رابطہ قائم کرکے براہ راست تعلیمات حاصل کرے؟

اس سوال کے سامنے آنے کے بعد ایک طبقے کا دل چاہتا ہے کہ فوراً اس کے جواب میں کہہ دیا جائے کہ ایسا نہیں ہوسکتا، یہ وہی مغرور لوگ ہیں جنھوں نے عام طبیعی کی غیر معتدل طرفداری کو اپنا طرّہ امتیاز بنا رکھا ہے۔

اس گروہ سے اگر آپ دریافت فرمایئے کہ کیوں ایسا نہیں ہوسکتا؟ تو وہ اپنے تکبر آمیز یقینی لب ولہجے میں کہیں گے کہ اس طرح کا رابطہ قائم ہونا ''علم'' کے فیصلوں کے خلاف ہے۔

اگر ان سے پوچھا جائے کہ کہاں کس علم میں کس نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی انسان اور ذات واجب الوجود کے درمیان اس طرح کا رابطہ نہیں قائم ہوسکتا۔ جس کے بعد وہ خداوندعالم سے براہ راست علوم ومعارف حاصل کرے تو یہ

طبقہ جواب میں کہے گا کہ کسی بات کے انکار کے لئے یہی کافی ہے کہ علوم طبیعی نے اسے ثابت نہیں کیا ہے، ہمارے واسطے اصولاً وہی باتیں قابل تسلیم ہیں جنھیں علوم طبیعی کی تائید حاصل ہو، ہمارے نزدیک بلا استثناء ہر مسئلے کو علمی طریقوں سے حل ہونا چاہئے۔

موجودہ علوم نے وجود انسانی میں چھپے ہوئے تمام اسرار ورموز کے چہرے سے پردے ہٹادیئے ہیں، ان کے توسط سے انسان کے جسمانی اور روحانی تمام خصوصیات ہماری آنکھوں کے سامنے آگئے ہیں علوم جدیدہ کے تحقیقات نے انسان میں کسی ایسی ادراکی قوت کی نشاندہی نہیں کی ہے جس کی مدد سے انسان اس دنیا کے حدود سے باہر کسی دوسرے پراسرار عالم سے رابطہ قائم کرسکے، ان جدید علوم نے وجود انسانی کے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں پائی ہے جو انسان کو ایسے غیر معمولی حقائق ومعارف سے باخبر بنا سکے جن کا ادراک عقل بشری عام معمولی راستوں سے نہ کرسکتی ہو، اگر اس طرح کی کوئی قوت انسان میں موجود ہوتی تو وہ ہرگز علوم طبیعی کی تیز نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس قسم کا رابطہ ہمارے لئے تصور کے قابل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس بات کا ہم تصور تک نہیں کرسکتے اس کی تصدیق کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، کیا کسی چیز کے تصور کے بغیر اس کی تصدیق ممکن ہے؟

اس کے علاوہ ہم نے اپنی ہستی کا ایک ایک چپہ ڈھونڈھ ڈالا، اپنے ظاہری اور باطنی تمام حواس کا گہرا جائزہ لے لیا، ہمیں انتہائی تلاش کے باوجود اپنی ذات میں اس قسم کی کوئی قوت نہیں ملی، یقیناً انبیاء ومرسلین بھی نوع انسانی کے افراد تھے، اسے کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ان کی ذات میں ہمارے احساسات وادراکات کے علاوہ کوئی خاص طاقت پائی جاتی تھی۔؟

یہ ہے وہ جلد بازانہ فیصلہ جو مسئلہ وحی کے سلسلے میں اس دور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں سے بعض لوگ کیا کرتے ہیں، بدقسمتی سے یہ باتیں صرف مسئلہ وحی کے بارے میں نہیں بلکہ تمام ایسے مسائل کے بارے میں کہی جاتی ہیں جن کا ماوراء طبیعت سے تعلق ہے۔ علوم طبیعی کے ہتھیار کا غلط استعمال اس بیسویں صدی کا ایک خوبصورت فیشن بن گیا ہے۔

یہ زنگ خوردہ حربہ کب تک استعمال ہوگا

واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ جو اپنے کو علوم طبیعی کا باوفا طرفدار قرار دیتے ہیں اپنے شخصی رجحانات کے آزادانہ طور سے عملی جامہ پہنانے کا علوم طبیعی کو مجوز بنانا چاہتے ہیں، اگر بدگمانی سے کام نہ لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ہمارے سامنے بس تین صورتیں ہیں یا ان لوگوں کے اطلاعات علوم طبیعی کے متعلق بہت سطحی اور معمولی ہیں، یا ان کے تکامل وارتقاء نے ان لوگوں کی سلامت فہم کو ان سے چھین لیا ہے علوم طبیعی کی حکومت کے حدود ان کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں، یا یہ اپنی آزادی اور مطلق العنانی کی آرزوؤں کو علوم طبیعی کے زیر حمایت پورا کرنا چاہتے ہیں۔

گستاخی معاف، ہمارے نزدیک اس طرح کے

افراد نہ فلسفی ہیں اور نہ علوم طبیعی کے ماہر، فلسفی اس لئے نہیں ہیں کہ یہ علوم طبیعی وتجربی کے علاوہ کسی چیز کے متعلق غور وخوض نہیں کرتے ہیں، علوم طبیعی کے ماہر اس لئے نہیں ہیں کہ یہ ان کے بارے میں ایسے بے سرو پا دعوے کرتے ہیں جنھیں خود علوم طبیعی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مسئلہ وحی اور اس قبیل کے دوسرے مسائل کی بابت اس طبقے کے نقطۂ نظر کا نچوڑ یہ ہے:

جب تک کوئی بات علوم طبیعی کے راستے سے نہ ثابت ہو وہ قابل قبول نہیں ہے۔''

ہم بھی اس گروہ کے نظریئے کے سو فی صدی موافق ہیں، لیکن دو شرطوں کے ساتھ!

اول یہ کہ ان کا فیصلہ ایسی چیزوں کے متعلق یقیناً صحیح ہے جو مادے اور عالم طبیعت سے مربوط ہوں، ہمیں اقرار ہے کہ جدید علوم کی نگاہ بڑی تیز ہے، ان کے پاس بڑے کامیاب وسائل موجود ہیں لیکن بدیہی بات ہے کہ اس کے باوجود وہ اپنے حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔

علوم طبیعی کی عمارت احساس، آزمائش اور مشاہدے کے ستونوں پر بلند ہوئی ہے، ان کے وسائل خوردبین، دوربین اور تجربہ گاہیں ہیں، ایسی صورت میں یہ کہاں ممکن ہے کہ علوم طبیعی ایسے امور کے متعلق کوئی فیصلہ کریں جو عالم مادہ کے حدود سے باہر ہیں ماوراء الطبیعۃ چیزوں کا مشاہدہ خوردبینوں، دوربینوں کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا، انھیں آزمائش گاہوں کی میزوں پر نہیں رکھا جاسکتا۔

دوم یہ کہ علوم طبیعی کے تکامل دارتقاء کی رفتار اپنے انتہائی نقطہ سرعت تک پہنچنے کے بعد رک جائے، تمام رموز واسرار علوم طبیعی بے نقاب کر دیں۔ تمام گتھیوں کو ان کے تیز ناخون سلجھا دیں، جہالت اور ناواقفیت کا کوئی قلعہ ان کے سامنے نہ ہو جسے انھوں نے فتح نہ کرلیا ہو، بے اطلاعی اور بے خبری کا کوئی ایسا مورچہ نہ ہو جس پر ان کی کامیابی کا جھنڈا نہ لہرا رہا ہو، لیکن جب تک علوم طبیعی ترقی کے راستے پر گامزن ہیں، جب تک دنیا کے بڑے بڑے محققین تجربہ گاہوں اور کتب خانوں میں مطالعہ اور آزمائش میں مصروف ہیں، جب تک ہر طرف تازہ انکشافات کے لئے تلاش وکوشش ہو رہی ہے ہم اس روشن خیال طبقے کے قدموں میں ہتھیار ڈالنے والے نہیں ہیں۔

صاف لفظوں میں کیوں نہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص موجودہ حالات میں یہ کہے کہ ''جدید علوم سے جو باتیں ثابت نہیں ہوئی ہیں انھیں ہم نہیں مانتے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تمام تجربہ گاہوں کے دروازے بند کرکے ان میں قفل لگا دیئے جائیں! اس کے معنی یہ ہوں گے کہ محققین اور مکتشفین اس پراسرار دنیا کے جدید ترین رموز تک پہنچنے کے لئے جو کوششیں کررہے ہیں وہ احمقانہ اور فضول ہیں کیونکہ یقیناً ان کی جستجو کا مرکز ایسی چیزیں ہیں جنھیں ہرگز علوم طبیعی نے ثابت نہیں کیا ہے۔

توجہ کے قابل یہ نکتہ ہے کہ علوم طبیعی کی کوششیں ایک طرف اگر ہمارے لئے کسی نئی حقیقت کا انکشاف کرتی ہیں تو اس کے ہمراہ تازہ بتازہ مجہولات کی ایک طویل لائن ہمارے سامنے قائم کر دیتی ہیں مثلاً مشہور ماہر علم کیمیا ''لوئس

پسچر Louis Paseteur '' جس نے وقت، حیوانات، ذرہ بینی کی وسیع دنیا کا انکشاف نہیں کیا تو ہمارے سامنے اس سلسلے میں صرف ایک مجہول تھا۔ لیکن اس انکشاف کے بعد ہمارے مجہولات کی تعداد ایک سے بڑھ کر سیکڑوں تک پہنچ گئی اب ہمارے مجہولات کی فہرست میں جراثیم کے مختلف انواع واقسام ہیں، ان کی جسمانی ساخت ہے، اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے ان کا طرز کار ہے، تولید مثل کے سلسلے میں ان کا مخصوص اسلوب ہے، ان کی پیدائش اور افزائش کی راہیں ہیں ان کے فنا کرنے کے طریقے ہیں۔

اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ جتنے جتنے ہم علوم وفنون کے میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں ہماری جہالتوں کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض لوگ کیوں اس انتہائی نمایاں حقیقت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، نہ جانے وہ کس لئے انسان کے موجودہ معلومات کے بارے میں ایسے بے شمار مسائل کے باوجود جنھیں علوم طبیعی نہیں حل کر سکے ہیں غیر معمولی مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں شاید ان کے زعم میں علم کی یہ بہت بڑی خدمت ہو حالانکہ وہ اپنی اس غیر عاقلانہ روش سے سنجیدہ لوگوں کی نظر میں جدید علوم کی قدر ومنزلت گھٹا رہے ہیں۔

بے شک مسائل ماوراء الطبیعۃ کا سر کچلنے کے لئے سترھویں اور اٹھارویں صدی میں علم کا حربہ کافی مفید تھا، لیکن اس دور میں اس کا استعمال بالکل فضول ہے جو لوگ اس راستے سے اپنی غیر معقول باتوں کو عوام کے ذہنوں میں راسخ کرنا چاہتے ہیں وہ ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ مدتیں گزریں کہ یہ حربہ زنگ خوردہ ہو چکا ہے، کسی زمانہ میں ضرور اس پر کافی باڑھ تھی لیکن اب اس کی دھار کند ہو چکی ہے، اس حربے سے غلط فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

مثل مشہور ہے کہ ''کبھی گاڑی ناؤ پر اور کبھی ناؤ گاڑی پر'' ایک زمانہ تھا کہ حامیان کلیسا مسیحیت کے نام نہاد رہنما ہر نئے علمی انکشاف کا سر کتب مقدسہ کے ہتوڑے سے کچلا کرتے تھے، ان کے فرمان سے علوم طبیعی کے ماہرین کو حقائق مذہب سے بغاوت کے جرم میں عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں، جیل میں ڈالا جاتا، موت کے گھاٹ اتارا جاتا، اس کے بالمقابل آج کل علوم طبیعی کے ماہرین کا ایک طبقہ خواہش مند ہے کہ ہر غیر مادی مسئلے کا علم کے ہتھیار سے خاتمہ کر دیا جائے، وہ شاید اس تکفیر علمی کے ذریعہ کلیسا کی نامعقول اور غیر معتدل ظالمانہ روش کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

صاف اور دھندھلی تصویریں

ہم نے شروع شروع ایک سوال قائم کیا تھا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان خداوند عالم کی ذات سے رابطہ پیدا کر کے غیر معمولی حقائق ومعارف کا علم اس راستے سے حاصل کرے؟

اس سوال کے جواب میں ہماری غرض ہے کہ ہاں ایسا قطعاً ممکن ہے، فلسفے اور علوم طبعی اس قسم کے ارتباط کو محال نہیں قرار دیتے، کسی چھوٹی سی چھوٹی دلیل سے یہ ثابت نہیں

کیا جاسکتا کہ خدا کی ذات واجب والوجود سے کسی انسان کا رابطہ قائم کر کے حقائق و معارف حاصل کرنا غیر ممکن ہے۔

آئندہ یہ بتایا جائے گا کہ ہم انسانوں کا کیا ذکر ہم سے پست تر جانوروں میں ایسے پراسرار ادراکات واحساسات نظر آتے ہیں جن کے تفصیلی کیفیات سے نہ صرف ہم ناواقف ہیں بلکہ تمام دنیا کے صاحبان عقل و علم ان سے بے خبر ہیں، یہ بے خبری مسلّم لیکن اس رابطے کے تفاصیل سے ناواقفیت کا ہرگز یہ تقاضہ نہیں ہے کہ ہم مجملاً اس کے موجود ہونے کا اقرار نہ کریں، اس لمبی چوڑی دنیا میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق ہم صرف اجمالاً اتنا جانتے ہیں کہ وہ موجود ہیں مگر ان کی حقیقت اور ماہیت کا تفصیلی علم ہمیں نہیں ہے، روح، زندگی، عقل، قوت جاذبہ، بجلی کی طاقت اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنی ایسی چیزیں ہیں جن سے رات دن ہمارا سابقہ ہے۔ جن کی بنیاد پر ہماری زندگی کی عمارت بلند ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تفصیلی حقیقت سے ہم مکمل طور سے مطلع نہیں ہیں۔

اس مقام پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں اپنے ظاہری اور باطنی حواس کی کھوج کرنے کے بعد اپنے سراپائے وجود میں کوئی ایسی قوت نظر نہیں آتی ہے جو ہمارے اور ذات واجب الوجود کے درمیان ایسا رابطہ قائم کر سکے جس کے سہارے سے ہم حقائق کائنات پر مطلع ہوسکیں، اس طرح کے رابطے کا ہم تصور تک نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں ہم یہ کیونکر باور کر سکتے ہیں کہ ہم اس قسم کا رابطہ خداوند عالم کی ذات سے نہ قائم کر سکیں اور کوئی دوسری ہستی قائم کر سکے۔

یہ بات گرچہ کہی جاسکتی ہے اور کہی گئی ہے لیکن ہماری نظر میں انتہائی عجیب ہے، مانا کہ اس طرح کا رابطہ ہم میں سے کسی کی ذات میں نہیں پایا جاتا، مگر ہماری ذات میں اس کا نہ موجود ہونا اس کی کیونکر دلیل ہے کہ کسی دوسری ہستی میں بھی وہ موجود نہیں ہے۔ ہمیں اقرار ہے کہ ہم اس کا تفصیلی تصور نہیں کر سکتے۔ لیکن تصور تفصیلی سے عاجزی کا ہرگز یہ تقاضہ نہیں کہ ہم اس کے تصور اجمالی سے بھی قاصر ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر چند مثالیں دے کر اس مطلب کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

۱۔ فرض کیجئے کہ مادرزاد اندھوں کے شہر میں ایک صحیح و سالم شخص ہو جو اپنی آنکھوں کی مدد سے ہر چیز کو دیکھ سکتا ہو، بے شک ان اندھوں کو حق ہے کہ وہ اس صحیح و سالم شخص کے وسیع اطلاعات کو سن کر حیرت و تعجب کا اظہار کریں اور نتیجتاً ان کے لئے اس شخص کی یہ مخصوص قوت ایک معمہ اور پراسرار چیز بن جائے۔

یقیناً ان اندھوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس قسم کی طاقت کی موجودگی کا سرے سے انکار کر دیں یہ بھی وہ لوگ حق نہیں رکھتے کہ اس قوت کے اجمالی تصور سے عاجزی کا اظہار کریں، اس امر کا ان کو اس لئے حق حاصل نہیں ہے کہ اس پراسرار قوت کے آثار ان کے علم میں ہیں، اس صحیح و سالم شخص کے وسیع اطلاعات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس کی ذات میں ضرور کوئی مخصوص طاقت موجود ہے بلاشبہ ان مادرزاد اندھوں کے صفحات ذہن پر اس حس بینائی کی ایک

نہایت دھندھلی تصویر ابھرے گی وہ یوں کہیں گے کہ بینائی ایک ایسی پراسرار قوت ہے جو اپنے ملک کو بہت سی چیزوں سے واقف بنا دیتی ہے۔

یونہی مادرزاد بہرا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ امواج صوتی اعصاب شنوائی پر کیا اثر ڈالتے ہیں لیکن وہ اتنا ضرور سمجھ سکتا ہے کہ صحیح وسالم اشخاص اور بیرونی دنیا کے درمیان ایک پراسرار رابطہ ضرور قائم ہوتا ہے جس سے میں محروم ہوں، اس طرح حاسۂ سماعت کی ایک مبہم اور نیم تاریک تصویر اس مادرزاد بہرے کے ذہن میں ضرور منتقش ہوگی۔

جانوروں کے پراسرار احساسات

۲۔ جانوروں کو انسان ہر چیز میں اپنے سے پست سمجھتا ہے، لیکن خداوند عالم نے انھیں ایسے عجیب وغریب اور پراسرار حواس عطا کئے ہیں جن کے تصور کے بارے میں ہماری وہی نوعیت ہے جو مادرزاد اندھے اور بہرے کے بصارت وسماعت کے متعلق۔

آپ نے دیکھا ہے کہ چمگادڑ رات کو بڑی تیزی سے اڑتا ہے، شاید کبھی آپ نے اس بات کی طرف توجہ کی ہو کہ جب اس جانور کے سامنے کوئی مانع آجاتا ہے تو وہ غیر معمولی پھرتی سے اپنا راستہ بدل کر دوسری طرف اڑنے لگتا ہے۔

غور فرمائیے یہ شب گرد پرندہ ایک صحیح وسالم طاقتور آنکھ کا مالک نہ ہونے کے باوجود اندھیری رات میں کیونکر محسوس کر لیتا ہے کہ اس کا راستہ صاف نہیں ہے، وہ بلا کسی جھجھک کے باطمینان جدھر چاہتا اڑتا رہتا ہے۔

علوم طبیعی کے ماہرین نے اس گتھی کو یوں سلجھایا ہے کہ چمگادڑ کے جسم سے اس کی پرواز کے دوران میں خاص قسم کی کچھ موجیں نکلتی ہیں، یہ ہمیشہ چمگادڑ کے آگے آگے متحرک رہتی ہیں، یہی کسی مانع کے سامنے آنے کے بعد اس کو اطلاع دے دیتی ہیں۔

کتاب ''علم برائے جوانان'' میں میں نے پڑھا کہ ایک چمگادڑ کو ایسی تنگ، تاریک، پر پیچ سرنگ میں اڑایا گیا۔ جس کی دیواریں دھویں سے خوب کالی کر دی گئی تھیں، نہایت تعجب سے دیکھا گیا کہ چمگادڑ نے سرنگ کے اس اندھیرے پیچ وخم سے ایسا ماہرانہ عبور کیا کہ دیواروں کے کسی حصے سے اس کا جسم مس نہیں ہوا، کیونکہ اس کے پروں پر سیاہی کا کوئی نشان نظر نہیں آیا، یقیناً اگر ہم اس سرنگ سے گزرنا چاہتے تو دو ایک قدم چلنے کے بعد سر سے پیر تک کالک ہم سے لپٹ جاتی۔

۳۔ تمام محترم ناظرین نے غالباً اسے کتابوں میں پڑھا اور بعض نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جانور اپنی کس پراسرار قوت کے ذریعہ کافی مدت پہلے باخبر ہوجاتے ہیں کہ زلزلہ آئے گا، وہ غیر معمولی طور پر بے چین نظر آتے ہیں زنجیریں اور رسیاں تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی بہت سے جانور مل کر اکٹھا دلخراش آوازوں کے ساتھ فریاد کرتے اور اس طرح شور مچاتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ کوئی ناخوشگوار حادثہ عنقریب پیش آنے والا ہے۔

ابھی کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ یوگوسلاویہ میں ایسا ہولناک زلزلہ آیا جس نے وہاں کے ایک پورے شہر کو تہس نہس کر دیا، اخباروں نے صریحاً لکھا تھا کہ زلزلہ آنے سے

کافی پہلے وہاں کے عجائب گھر کے جانوروں نے ایسا شوروغل مچا رکھا تھا جو تمام دیکھنے والوں کے لئے سبب وحشت بنا ہوا تھا۔

کیا ہم اور ہمارے وہ زلزلہ سنج آلات اس طرح کے تباہ کن حادثے کی پیشین گوئی پر قادر ہیں؟ یہ کون سی پراسرار قوت احساس ان ''بے شعور'' جانوروں میں موجود ہے جس سے ہم اپنے تمام عقل وشعور کے باوجود محروم ہیں؟

وہ کمزور آنکھ والا چمگادڑ کون سے احساس کا مالک ہے جس کے متعلق ہم اشرف المخلوقات آرزو کرتے ہیں کہ کاش ہم بھی اس طرح کی زبردست قوت احساس سے بہرہ مند ہوتے، پھر نہ مینوسپلٹی کا احسان ہماری گردن پر ہوتا اور نہ اس کے بے نور چراغوں کے روشن ہونے کا ہمیں انتظار کرنا پڑتا بلکہ ہم بلاکسی جھجھک کے بڑی پھرتی کے ساتھ ان تنگ وتاریک گلیوں میں چل کر اپنے کاموں کی تکمیل کر لیتے۔

یہ صحیح ہے کہ ہم ان پر اسرار احساسات کی کیفیتوں کو نہیں معلوم کر سکتے لیکن یہ عذر کر کے کیا ہمیں ان کے وجود کو نہ ماننے کا حق ہے؟ ہرگز نہیں ہم اس قسم کے احساسات کا کیوں انکار نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کے نمایاں آثار ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں یہی آثار ان کی اجمالی تصویر ہمارے ذہنوں میں مرتسم کرنے کے واسطے کافی ہیں۔''

یہ واضح رہے کہ ان مثالوں کے بیان کرنے کا مقصد مطلب کو دماغوں سے نزدیک کرنا ہے ورنہ ان کے اور وحی کے درمیان نمایاں فرق موجود ہے مختلف وجود ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ان پر وحی کا قیاس کیا جائے۔

بہرحال ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم مبدأ عالم اور انبیاء کے درمیان ایک اسرار آمیز رابطے کا اقرار کریں، اس کا شاہد وہی ناقابل انکار نشانیاں ہیں جو انبیاء اور ان کے تعلیمات میں ہمیں نظر آتی ہیں۔

آپ کو اختیار ہے کہ اس رابطے کا نام جو چاہے تجویز کیجئے، ایک ''پراسرار احساس'' یا ''حس ششم'' جب کہ ہمارے حواس کی تعداد پانچ ہو یا ''حس دوازدہم'' جب کہ ہم گیارہ حواسوں کے مالک ہوں۔

مطلب کے ذہنوں سے نزدیک ہونے کی غرض سے وحی کا نام ''ایک پراسرار امواج گیر آلہ'' بھی رکھا جاسکتا ہے، اس آلے کا مرکز پیغمبر کا دل ودماغ ہوتا ہے، اس کا کام عالم ماوراء الطبیعۃ کے امواج کی گرفت ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی شخص نے ریڈیو، ٹلی ویژن نہیں دیکھا، اسے جب پہلی بار یہ چیزیں کسی آدمی کے پاس کام کرتی ہوئی نظر آئیں گی تو وہ حیرت وتعجب کی مورت بن کر انھیں دیکھے گا، یقینا تعجب خیز بات ہے کہ ایک شخص دنیا کے کسی حصے میں بیٹھ کر دور دراز ملکوں کی خبریں سن رہا اور وہاں کے لوگوں کو اس طرح دیکھ رہا ہے کہ گویا خود وہیں موجود ہے یقینا چونکہ وحی کا امواج گیر آلہ ہمارے قبضے میں نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے عالم ماوراء الطبیعۃ کے متعلق انبیاء کی خبریں ہمارے لئے تعجب انگیز ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ ریڈیو، ٹلی ویژن کی خبروں سے متحیر ہونا بامحل ہے اور نہ وحی کے ذریعہ حاصل شدہ انبیاء کی خبروں سے۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلا کہ مبداء جہاں اور عالم ماوراء الطبیعۃ سے وحی کے ذریعہ ارتباط نہ صرف بعید نہیں ہے بلکہ سو فی صدی مان لینے کے قابل ہے۔ بے شک اس طرح کے رابطے کی کسی شخص میں موجودگی کے یقینی ہونے کا وسیلہ معجزات یا دوسرے قرینے اور طریقے ہیں جنھیں کتب عقائد میں انبیاء کی شناخت کے سلسلے میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، بلا ان وسائل کے کسی آدمی کے زبان و دہن سے نکلی ہوئی باتوں کو آسمانی وحی کے عنوان سے نہیں قبول کیا جا سکتا۔

قدیم فلاسفہ اور مسئلۂ وحی

پرانے فلاسفہ کی نظر میں ''وحی''، نفس پیغمبر کے ''عقل فعّال'' کے ساتھ غیر معمولی ارتباط کا نام ہے، اس عقل فعال کا سایہ ''حس مشترک'' اور ''خیال'' پر بھی پڑتا ہے۔

یہ مطلب تمام لوگوں کی سمجھ میں اسی وقت آ سکتا ہے جب کہ شروع میں تین باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔

۱۔ سابق فلاسفہ کا عقیدہ تھا کہ انسانی نفس یا روح تین قوتوں کی مالک ہے۔

الف: حس مشترک، اس کے ذریعہ نفس انسانی محسوسات کی صورتوں کا ادراک کرتا ہے مثلاً جب کوئی جسم ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو اس سے ایک شعاع نور نکل کر ہمارے دریچہ چشم کی راہ سے داخل ہو کر ایک پردے تک پہنچتی ہے جس کا نام ''شبکیہ'' ہے، پھر یہ تصویر اعصاب بینائی کے ذریعہ بھیجے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے ان مراحل کے طے ہونے کے بعد ہم اس حسّ مشترک کی مدد سے جو ہماری روح کی تین قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ اس تصویر کو محسوس کرتے ہیں۔

ب: خیال، اس کے طفیل میں ہم ''جزئی ذہنی صورتوں'' کا ادراک کرتے ہیں، جب کوئی شئ ہمارے سامنے ہو اور بعد کو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو انسانی ذہن میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اسی صورت خاص کو اپنے صفحے پر مرتسم کر لے، اسی طرح ہم اپنے دوست کی صورت، اپنے گھر کی صورت اپنی کتاب کی صورت، اپنی اولاد کی صورت یا کسی ایسے آدمی کی صورت جو برسوں پہلے مر چکا ہے اپنے ذہن میں مجسّم کر سکتے ہیں، یہ تصویریں کہاں ہیں، ہم کس طرح انھیں وجود میں لا سکتے ہیں، اصل چیزیں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہیں تا کہ آنکھوں کے راستے اور حس مشترک کے وسیلے سے ہم ان کا ادراک کر لیں، پھر آخر کیونکر یہ صورتیں ہمارے ذہنوں کے سامنے مجسّم ہوتی اور سنیما کے فلموں کے مانند مقابل آ کر گزر جاتی ہیں؟

یہ اس قوت کی کارسازی ہے جس کا نام ''خیال'' ہے اسی قوت نے ہمیں یہ صلاحیت دی ہے کہ آنکھوں اور حس مشترک کے ذریعہ معلوم کی ہوئی صورتوں کے مثل دوسری صورتیں ہم دوبارہ ایجاد کر لیں۔

واضح بات ہے کہ یہ خیالی صورتیں بالکل مادی نہیں ہیں، کیونکہ ان میں کبھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں پیدا ہوتا ہے، ہمارے دوست کی جو تصویر ہمارے صفحہ ذہن پر موجود ہے وہ امتداد زمانہ کے باوجود نہ بوڑھی ہوتی، نہ بیمار پڑتی،

نہ اس کے ڈاڑھی نکلتی، نہ وہ کپڑے بدلتی ہے، اس کے ساتھ اس کو ''مجرد خالص'' کہنا بھی غلط ہے، کیونکہ اس میں لمبائی چوڑائی پائی جاتی ہے، وہ مخصوص حالت رکھتی ہے، وہ بہت سے کیفیات، کی مالک نظر آتی ہے، مثلاً نمکینی خوبصورتی، بدصورتی وغیرہ۔

اسی قوت خیال کے ذریعہ ہم اپنے ذہن میں چند صورتوں سے مرکب ایک صورت تیار کر سکتے ہیں جس کا کہیں نام ونشان نہ ہو، فرض کیجئے کہ اپنے ذہن میں ایک آدمی کو مجسم کرتے ہیں جس کے دو سر ہیں، جو اپنے سر کے بل کھڑا ہوا ہے، جس کے دونوں ہاتھ سونے کے اور دونوں پیر چاندی کے ہیں، شاید قوت خیال کی اسی صلاحیت نے اسے بدنام کر دیا ہے، جب بھی اس کا نام لیا جاتا تو عوام کی آنکھوں کے سامنے یہی غیر واقعی صورتیں چلنے پھرنے لگتی ہیں، وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ خیال اس قوت کا نام ہے جو فرض اور بے بنیاد تصویریں بنائے۔

ج: عقل، اس کے ذریعہ آدمی صور کلیہ ادراک کرتا ہے، مثلاً جب ''انسان'' یا ''حیوان'' کہا جاتا ہے تو ایک جامع و ہمہ گیر مفہوم سمجھ میں آتا ہے جو طویل القامت، پست قد، کالے، گورے، موٹے، دبلے تمام آدمیوں کو شامل ہے، یقینا ہم نے اس مفہوم کا ادراک ''حس مشترک'' یا ''خیال'' کے ذریعہ نہیں کیا ہے، کیونکہ اس کا کام جزئی اور شخصی صورتوں کا ادراک ہے ہم نے اس جامع اور ہمہ گیر مفہوم کا ادراک ایک دوسری قوت کی مدد سے کیا ہے جس کا نام ''عقل'' ہے۔

۲۔ سابق فلاسفہ کا عقیدہ تھا کہ نو افلاک موجود اور متحرک ہیں، وہ ان کی حرکت دورانی کی بناء پر متعدد مفصل مقدمات کے ذریعہ ان افلاک کے واسطے ''نفس مجرد'' ثابت کرتے تھے، اس کے بعد بہت سے دلائل کی روشنی میں وہ معتقد تھے کہ ان نفوس فلکیہ کے اوپر کچھ دوسرے مجرد موجودات کی طرف سے جن کا نام انھوں نے ''عقول'' رکھا تھا فیضان ہوتا ہے، ان کا خیال تھا کہ ہر فلک کے لئے جداگانہ مستقل عقل موجود ہے۔

دوسری طرف گزشتہ فلاسفہ کے نزدیک انسانی نفوس، دوسری لفظوں میں ہماری روحیں محتاج ہیں کہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے، حقائق معارف سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ایک مجرد موجود سے جس کا نام ''عقل فعال'' ہے کسب فیض کریں، اس طرح وہ ایک دسویں عقل کے قائل ہو گئے۔ جسے ''فعال'' اس لئے کہا گیا کہ وہ نفوس انسانی کی صلاحیتوں اور قوتوں کو فعلیت کا لباس پہناتی ہے، یہ عقل ان فلاسفہ کی نظر میں تمام حقائق اور علوم کا معدن ہے۔ بنابریں ہمارے تمام معلومات کا سرچشمہ اسی عقل فعال سے ارتباط ہے، ہمارے نفوس محض اسی راہ سے ہر قسم کے معارف کا ادراک کر سکتے ہیں۔

۳۔ انسانی روح جتنی طاقتور ہوگی ''عقل فعال'' سے اس کا رابطہ اتنا ہی زیادہ مستحکم ہوگا اور حقائق عالم کو بہتر طور سے معلوم کر سکے گی ایک زبردست نفس انتہائی مختصر مدت میں وسیع ترین معلومات نہایت مکمل طریقے پر اس ''عقل فعال'' سے حاصل کر سکتا ہے جو خداوند عالم کی طرف سے مامور ہے کہ اس کے بندوں کو فیض پہنچائے۔

یونہی انسان کی قوت خیال جتنی قوی ہوگی اتنی ہی وہ اچھی طرح عقل کی دریافت کردہ کلی صورتوں کو صور حسّیہ کا لباس پہنا سکے گی، یعنی ان ہمہ گیر مفاہیم کو جزئی صورتوں کے سانچوں میں ڈھال سکے گی۔

اسی طرح ''حس مشترک'' کا پرزور ہونا اس بات کا سبب ہوگا کہ انسانی ذہن ان بیرونی محسوس صورتوں کا بہتر اور کامل تر ادراک کر سکے۔

قدیم فلاسفہ مجموعی طور پر ان مقدمات سے مندرجۂ ذیل نتیجہ نکالتے تھے۔ چونکہ پیغمبر کا نفس اور ان کی روح غیر معمولی طاقتور ہے لہٰذا اس کا رابطہ ''عقل فعال'' سے نہایت مستحکم ہے، اس ارتباط کے استحکام کی بنا پر نفس پیغمبر کم از کم وقت میں بلند ترین معلومات ہمہ گیر طور سے عقل فعال سے حاصل کر سکتا ہے۔

چونکہ اس کی قوت خیال بھی غیر معمولی طاقتور اور قوت عقلیہ کی فرمابردار ہے لہٰذا وہ ان صور کلیہ کے مناسب جنھیں عقل فعال سے لیا ہے کچھ محسوس تصویریں بنا سکتی ہے، اس طرح ان ہمہ گیر معانی عقلیہ کو نفس پیغمبر حسی اور بیرونی لباس میں اپنے ذہن کی چار دیواری کے اندر دیکھتا ہے، مثلاً اگر وہ حقائق کلیہ معانی اور احکام کے قبیل سے ہوں تو وہ ان کا ادراک نہایت مناسب، موزوں فصیح وبلیغ الفاظ کے قالب میں کرتا یعنی وہ یہ لفظیں کسی امانت دار شخصیت سے غیر مبہم طور پر سنتا ہے۔

چونکہ اس کی قوت خیالیہ ''حس مشترک'' پر مسلط ہے، چونکہ اس کی حس مشترک بھی انتہائی پرزور ہے، لہٰذا یہ خیالی تصویریں اس کے صفحہ ذہن پر ابھر آتی ہیں اور پیغمبر اس شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا، اس کی زبان و دہن سے نکلے ہوئے الفاظ اپنے کانوں سے سنتا ہے۔

یہ ہے ''وحی'' کی تشکیل کا طریقہ!

سابق فلاسفہ کے حقیقت وحی کے بارے میں یہ اس نظریئے کا خلاصہ تھا جو انھوں نے قدیم اصول فلسفہ کی روشنی میں قائم کیا ہے، مذکورۂ بالا تشریحات کی بنا پر۔

۱۔ وحی الٰہی کا قاصد وہی ''عقل فعّال'' ہے جو بفرمان الٰہی نفس پیغمبر پر علوم کا فیضان کرتا ہے۔

۲۔ وحی ''عقل فعّال'' کے ساتھ طاقتور ارتباط اور اس کے بعد حس وخیال کے آستانے پر حقائق عقلیہ کے مجسم ہوکر ظاہر ہونے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

۳۔ واقعاً محسوس طور پر نہ کسی فرشتے کا وجود ہے اور نہ کسی آواز کا، یہ صرف پیغمبر کی قوت خیال کی کارفرمائی ہے کہ وہ ایک شکل اور آواز کو ذہن پیغمبر میں ایجاد کر دیتی، اس کے بعد حس مشترک کی قدرت ایک امر محسوس کی صورت میں اسے حاسّہ پیغمبر میں چھاپ دیتی ہے۔

۴۔ وحی کے موقع پر پیغمبر کا طرز ادراک ہمارے طرز ادراکات کا الٹا ہے کیونکہ ہم شروع میں بطریق حس کسی چیز کا ادراک کرتے ہیں، پھر اس کی صورت ذہنی ہماری قوت خیال میں پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد ہم ایک ہمہ گیر عقلی مفہوم کی شکل میں اس سے واقف ہوتے ہیں، لیکن پیغمبر عقل فعال سے رابطے کی بنا پر پہلے حقائق کلیہ کا ادراک کرتا، پھر اس کا سایہ افق خیال پر، اس کے بعد افق حس پر پڑتا ہے

اور ان حقائق کے مناسب تصویریں حس وخیال کے صفحے پر ابھر آتی ہیں۔

ضروری تحقیق

گذشتہ فلاسفہ نے حقیقت وحی کی توضیح میں بڑی علمی کاوش کی ہے کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس مقدمہ چینی کے سلسلے میں غیر معمولی زحمت برداشت کی ہے، لیکن افسوس ان کے یہ توضیحات گوناگوں وجوہ کی بنا پر قابل اعتراض ہیں۔

یہ تشریح اطمینان بخش نہیں ہے

اس تشریح کا نتیجہ یہ ہے کہ وحی تمام ادراکات کی طرف ایک طاقت ادراک ہے اس کے حاصل ہونے کا وہی طریقہ جو دوسرے علوم کے حصول کا راستہ ہے، کیونکہ سابق فلاسفہ کے نزدیک تمام علوم وادراکات کا سرچشمہ وہی عقل فعّال کے ساتھ ارتباط ہے، اس سلسلے میں افراد انسانی کے درمیان اور معلومات کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

بنابریں انبیاء اور عام لوگوں کے درمیان فرق صرف قوت عقلیہ کے کمال وارتقاء کے لحاظ سے ورنہ ان کے اور ہمارے ادراکات کا طرز ایک قدیم فلاسفہ کے نقطۂ نظر کی بناء پر اکتساب علوم کے لئے ہمیں عقل فعال سے ارتباط پیدا اور اپنی صلاحیت کے مطابق اس سرچشمہ علوم سے فیض حاصل کرنا چاہئے، اگر ان حقائق کی تصویریں ہمارے خیال اور حس مشترک میں نہ چھپیں، اگر ہم اپنی عقل کے ذریعہ دریافت کردہ امور کی صورتوں کو آنکھوں سے دیکھیں تو یہ ہمارے خیال اور حس مشترک کی کمزوری کا نتیجہ ہے، ممکن ہے ایسے افراد تلاش کرنے سے مل جائیں جنھیں اس قسم کے تجسمات کبھی دکھائی دیئے ہوں، جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے صفحہ خیال پر ابھر ہوئے نقوش مجسم ہوکر آگئے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ وہی عقل فعال کا فرشتہ جو پیغمبروں پر نازل ہوا کرتا تھا ہمارے اوپر بھی نازل ہوتا ہے ہمارے تمام ادراکات بھی وحی والہام ہیں، لیکن ان کی ایک کمزور، ہلکی قسم!

یہ تشریح اس عقیدے سے سازگار نہیں ہے جو ادیان ومذاہب کے پیرو وحی کے بارے میں رکھتے ہیں، آسمانی کتابوں میں وحی کے متعلق جو اشارے ملتے ہیں وہ ہرگز ان توضیحات کے مطابق نہیں ہیں، ان تشریحات کی روشنی میں انبیاء ایسے صاحب نبوغ اشخاص قرار پاتے ہیں جنھوں نے اپنے طاقتور فہم وعقل کے سہارے کچھ ایسی نئی حقیقتوں پر قابو پالیا جن کا ادراک دوسرے لوگوں کے بس سے باہر ہے، ان حقائق کے ادارک کی کیفیت کے لحاظ سے انبیاء اور عام انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

آسمانی مذاہب وکتب نے اس کے برخلاف ہمیں بتایا کہ وحی والہام عالم ماوراء الطبیعۃ سے مخصوص ارتباط کا نام ہے اس کے اور ہمارے معمولی بلکہ نوابغ جہاں کے طرز ادراکات کے درمیان اصولی فرق موجود ہے۔

خیالی افلاک وعقول

بطلمیوس کے نو افلاک جو ''نفوس فلکی'' اور ''عقول عشرہ'' کی اساس ہیں مدتیں گزریں کہ ویران ہو چکے ہیں، صرف ان کی ہلکی سی پرچھائیاں تاریخ علوم کی کتابوں میں دکھائی دیتی ہیں ہیت جدید ان افلاک کی قائل نہیں ہے۔ موجودہ مشاہدات نجومی کا فیصلہ ہے کہ آسمانی کُرے مستقل اور وسیع فضا میں آویزاں ہیں۔

فلک قمر کے لحاظ سے تو یہ مسئلہ تقریباً حسّی بن چکا ہے، کیونکہ بیسویں صدی کے ان عالم پیما راکٹوں میں سے بعض چاند کے دل میں اتر چکے بعض ان کے پاس سے عبور، بعض ان کے گرد گردش کر چکے ہیں، اتنے تجربات ہوئے لیکن یہ راکٹ کسی عظیم، صاف وشفاف کُروی جسم سے آج تک نہیں ٹکرائے جو کرۂ ماہ پر ہر طرف سے محیط اور کرۂ ماہ اس کے آغوش میں بیٹھا ہو۔

ہم جتنے بھی دیر باور اور بدبین ہوں کم از کم اتنا ہمیں ماننا چاہئے کہ افلاک بطلمیوسی کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکی ہے، ہمیں بھی یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ پیاز کے چھلکوں کی طرح قدیم ماہرین علم ہیئت کے بقول صاف وشفاف، حسین وجمیل، بلوریں افلاک ایک دوسرے پر چھائے ہوئے ہوں لیکن اسے کیا کیا جائے کہ علم ہماری آرزو کو نہیں پورا کرتا۔

متقدمین چونکہ زمین کو مرکز عالم اور تمام اجسام کا مرکز ثقل قرار دیتے تھے لہٰذا اوسط آسمان میں بھاری بھر کم اجرام اور کروں کے رکے رہنے کی خاطر یقیناً وہ مجبور تھے کہ اس طرح کے مستحکم افلاک بنائیں، اس کے ساتھ انھیں بلور کے مانند صیقل دینا بھی ضروری تھا تاکہ ان کے دبیز اور مضبوط جسم ہم تک ستاروں کی روشنی کو پہنچنے سے نہ روکیں لیکن اب زمین مرکزیت عالم سے استعفاء دے چکی ہے اب جاذبۂ عمومی کا قانون منکشف ہو چکا ہے، اب اس دردسر کی ضرورت نہیں ہے۔

بالفرض اگر اس قسم کے افلاک ونفوس کو مان بھی لیں تو دس مجرد عقلوں کا اثبات بہت مشکل ہے کیونکہ فلسفۂ عالی میں اثبات عقول کے لئے جو دلائل بیان کئے گئے ہیں وہ سب قابل اعتراض ہیں اسی لئے سابقہ فلاسفۂ محققین کے ایک گروہ کو ان عقول عشرہ کے وجود میں پس وپیش ہے۔

مشہور فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی نے وجود عقول کے ادلہ کو کمزور سمجھتے ہوئے یہ مختصر عبارت لکھی ہے ''وَادِلَّۃُ وُجُوْدِہٖ مَدْخُوْلَۃٌ'' وجود عقول کے تمام ادلہ پر اعتراض ہوتا ہے۔　(تجرید العقائد، ص ۱۹۱)

کتاب ''اِیْضَاحُ الْمَقَاصِدِ عَنْ حِکْمَۃِ عَیْنِ الْمَقَاصِدِ'' میں بھی قدیم فلاسفہ کے اثبات عقول کے اوپر ادلہ کو تفصیلاً رد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۵۳)

یہ کمال نہیں نقص ہے

اس استدلال میں اس مقدمے سے بھی کام لیا گیا ہے۔

قوت خیالیہ کا کمال یہ ہے کہ جو چیز صفحۂ عمل پر منقش ہو اسے ایک مناسب صورت کے ساتھ افق خیال میں مجسم کردے، یونہی حس مشترک کی ترقی یہ ہے کہ جو چیز افق خیال میں منعکس ہو وہ اسے حس کے سامنے مجسم کردے۔

اس مقدمے پر سامنے کا اعتراض یہ ہے کہ حواس اور حس مشترک کی صحت وسلامتی یہ ہے کہ جو چیز خارج میں موجود ہو وہ اسے محسوس کریں کسی ایسی چیز کے احساس کو ان کا کمال کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جو صرف افق خیال میں منعکس ہے اور جس کا بیرونی دنیا میں کوئی نام ونشان نہیں ہے، اسی طرح قوت خیالیہ کا کمال یہ ہے کہ جو صورت پہلے عالم خارج میں حاصل کی جا چکی ہے وہ اسے بموقع ضرورت افق ذہن میں ایجاد کرے یا مختلف متعدد صورتوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، قوت خیال کا ہرگز یہ کمال نہیں ہے کہ وہ اس صورت کو بلا اختیار لباس خیالی پہنا دے جو صفحۂ عقل پر موجود ہے، اسی لئے انسان جب ذہنی اختلال کا شکار ہوتا ہے تو وہ عالم خیال میں جن چیزوں کا تصور کرتا ہے وہ خارجی پرچھائیوں کی شکل میں اس کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر آجاتی ہیں، قوت خیالیہ کی اس قسم کی کارگزاریاں اس کے کامل اور طاقتور ہونے کی علامت نہیں بلکہ اس کے بیمار ہونے اور توازن بگڑ جانے کی نشانی ہیں۔

وحی کے متعلق جدید فلاسفہ کا نظریہ

جدید فلاسفہ وحی کا تعارف ''شعور باطن'' یا ''ضمیر نا آگاہ'' کے ایک مظہر کے عنوان سے کرتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے مناسب ہے کہ پہلے بڑے مصری عالم محمد فرید وجدی کے قول کو اس نظریئے کے تاریخچے کے بارے میں نقل کرکے پھر اس کی صحت اور عدم صحت کی بابت گفتگو کی جائے۔

وہ اپنے دائرۃ المعارف میں مادۂ وحی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''سولہویں صدی عیسوی تک مغرب کے لوگ تمام دوسری قوموں کی طرح وحی کے قائل تھے، کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں انبیاء کی دی ہوئی خبروں سے پر تھیں، علم جدید نے آکر تمام مباحث روحی اور مسائل ماوراء طبیعی پر خط نسخ کھینچ دیا، اس کے بعد مسئلہ وحی بھی خرافات قدیمہ کا جز بن گیا۔ عام طور سے لوگ خیال کرنے لگے کہ وحی ایک ڈھونگ ہے جسے عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے دعویداران نبوت رچاتے رہے ہیں۔ یا وہ ان کی ذہنی بیماریوں کا نتیجہ ہے۔

انیسویں صدی عیسوی آئی ۱۸۴۶ھ میں یورپ کے فلاسفہ نے ادلۂ حسی کی مدد سے عالم ارواح کا انکشاف کیا اس کے بعد مسئلہ وحی دوبارہ زندہ ہو گیا مغربی مفکرین نے علمی اور تجربی اسلوب پر ان مباحث کے متعلق غور وخوض شروع کیا، وہ ایسے نتائج تک پہنچے جو اگرچہ علماء اسلامی کے نظریئے کے سو فی صدی موافق نہیں ہیں، لیکن انھیں ایک ایسے اہم موضوع کے لئے مؤثر قدم سمجھا گیا جسے کبھی خرافات کا جز خیال کیا جاتا تھا۔

۱۸۸۲ء میں ''جمعیت مباحث روحی'' کی تشکیل ہوئی، اس کے رئیس مسٹر ''جویک'' تھے، موصوف کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر اور انگلینڈ کے عظیم ترین مفکرین میں سے تھے۔

اس جمعیت نے مباحث روحی کے متعلق گرانقدر مطالعات کئے اور اب تک (تالیف دائرۃ المعارف کے

وقت تقریباً ۵۰ سال میں) انجمن مذکور کی جانب سے پچاس ضخیم جلدیں ان مباحث کے بارے میں مرتب کر کے شائع کی جا چکی ہیں مسائل روحی کے بہت سے مشکلات جن میں ایک مسئلہ وحی بھی ہے، ان کی مدد سے حل ہو سکتے ہیں۔

ان فلاسفہ نے اپنے تحقیقات میں ثابت کیا کہ ہر انسان دو شخصیتوں کا مالک ہے۔ شخصیت باطن اور شخصیت ظاہر، دوسری شخصیت سے مراد یہی ظاہری شعور و تفکر، حواس اور ارادہ ہے لیکن شخصیت باطن اس سے بلند اور اہم ہے، وہ علوم و معارف کا خزانہ ہے جس سے ہم اپنے معمولی حالات میں بے خبر ہیں۔

جدید فلاسفہ کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل امور انسان کی شخصیت مخفی سے مربوط اور اس کے وجود کے شاہد ہیں۔

۱۔ قلب، معدے اور ایسے ہی بدن کے بعض دوسرے حصوں کی غیر ارادی حرکتیں۔

۲۔ سچے خواب۔

۳۔ علماء، فلاسفہ، شعرا اور مکتشفین کے وہ اچانک الہامات جو بلا سابقہ مقدمات کے وجود میں آیا کرتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگ ناگہانی طور سے بے اختیار کسی نئی حقیقت اور تازہ انکشافات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اس شخصیت کو ثابت کرنے کا تجرباتی راستہ وہی مصنوعی نیند ہے، اس قسم کی نیند کے عالم میں انسان کے شعور ظاہری کی مشینری رک جاتی اور اس کا شعور باطن اپنا کام شروع کر دیتا ہے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اس موقع پر انسان کو بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن سے اپنی معمولی حالت میں بے خبر تھا۔ وہ جن مسائل کو اس سے پہلے نہیں حل کر سکتا تھا اب بآسانی حل کر لیتا ہے۔''

وحی یا شعور ناآگاہ کی ایک جھلک

مندرجۂ بالا عبارت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وحی کے بارے میں جدید فلاسفہ کا عقیدہ ہے کہ وہ انبیاء و مرسلین کے شعور باطن کی ایک تجلی ہے۔

اس مطلب کی توضیح کے لئے جاننا چاہئے۔

جدید فلاسفہ اور علماء نفس نے انسان کی پہلی شخصیت کے بہت سے نام رکھے ہیں، ''شخصیت نادیدہ''، ''شعور ناآگاہ''، ''وجدان مخفی''، ''ضمیر باطن''۔

یہ شخصیت انسانی کے معمولی تفکر و ادراک اور ارادۂ وحواس کے مقابل ہے فلاسفہ کے نزدیک یہ شعور ناآگاہ بہت سے روحی، نفسیاتی، طبی مشکلات کے حل کی کنجی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شعور ناآگاہ کا دائرۂ کارگزاری شعور آگاہ کے احاطۂ فعالیت کی بہ نسبت بہت وسیع ہے۔

امریکن ماہر علم النفس نے اپنی کتاب خودشناسی میں شعور ناآگاہ کی طاقت و وسعت کے متعلق لکھا ہے:

ہم شعور ناآگاہ کو کسی برف کے ٹکڑے کے اس ۹/۱ حصے کے مشابہ قرار دے سکتے ہیں جو پانی کی سطح میں پیر رہا ہے پانی سے باہر نکلا ہوا حصہ ہماری شخصیت کا وہ ٹکڑا ہے جس کے وجود سے ہم واقف ہیں، اس کے مقابل شعور ناآگاہ ہماری ذہنی فعالیت کا وہ دوسرا حصہ ہے جس کی موجودگی سے ہم بے خبر ہیں جس کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے

انسانی شخصیت کے بڑے حصے کی اسی سے تشکیل ہوئی ہے۔ شعور نا آگاہ شاہی تاج وتخت کے اقتدار کے مانند ہے یہ اقتدار تمہیں محبت یا نفرت کرنے پر آمادہ کرتا ہے، احساس وتفکر کے لئے ضروری قوت کا فراہم کرنا اسی شعور نا آگاہ کے ذمے ہے، جن تمناؤں کا سر کچل دیا گیا ہے وہ شعور نا آگاہ میں کوشش کرتی ہیں کہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر کے انسان کی رفتار وگفتار میں اپنا جلوہ دکھائیں۔''

اس وقت ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ یہ نظریہ مشہور ماہر علم النفس ''فرائڈ'' یا کسی دوسرے مغربی مفکر کی ایجاد ہے یا قدیم فلاسفہ کے اقوال میں بھی شعور نا آگاہ کے متعلق اشارے ملتے ہیں، ان اشاروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں اس انسانی شخصیت کا علم تھا۔ بہرحال یہ بات ناقابل تردد ہے کہ اس نظریئے کو علوم وفنون کے عظیم انکشافات کی فہرست میں انیسویں اور بیسویں صدی میں قرار دیا گیا ہے۔ اس دور نے اس کی مدد سے بہت سے علمی مشکلات کو حل کیا ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ جس طرح تمام افراد انسانی اپنی شخصیت ظاہر کے لحاظ سے مساوی نہیں ہیں اسی طرح اپنی باطنی شخصیت کے اعتبار سے بھی یکساں نہیں ہیں جتنی انسان کی شخصیت مخفی طاقتور ہوگی اس کے تجلیات کی تعداد بیشتر ہوگی، چونکہ انبیاء غیر معمولی انسان تھے۔ لہٰذا ان کا شعور نا آگاہ بھی نہایت قوی تھا ظاہر ہے کہ ایسے شعور نا آگاہ کے تراوشات اہم اور قابل لحاظ ہونا چاہئیں۔

اس عقیدے کے پیرووں کا کہنا ہے کہ ممکن ہے وحی انبیاء کے ضمیر مخفی کی یہی تراوشیں ہوں جن کی پیدائش فکری حرکات کی صورت میں ہوتی ہے۔

قدیم اور جدید فلاسفہ کے درمیان اتفاقی نقطے

۱۔ وحی عالم ماوراء الطبیعۃ کے ساتھ کوئی ایسا مخصوص ارتباط نہیں ہے جو تمام افراد انسانی کے عقلی روابط سے مختلف ہو۔

۲۔ وحی کا سرچشمہ انبیاء ومرسلین کا وہی نبوغ ذہنی، تفوق روحی اور ان کی شخصیتوں کی عظمت ورفعت ہے۔

۳۔ وحی کے وجود میں آنے کا سبب کوئی روحانی ذات انسانی سے خارج مستقل موجود نہیں ہے۔ جس کا نام فرشتہ ہو جو خداوند عالم کی طرف سے بحیثیت قاصد پیغام لائے بلکہ منشاء وحی نبی کا شعور نا آگاہ یا قدیم فلاسفہ کے عقیدے کی بنا پر نفس پیغمبر کا ''عقل فعال'' سے ارتباط ہے۔

اس کے ساتھ قدیم اور جدید نظریوں کے درمیان مندرجۂ ذیل وجوہ سے اختلاف بھی موجود ہے۔

۱۔ قدیم فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقل فعّال جو تمام علوم انسانی کا مخزن ہے وہ ایک عدد ہے، ہر پیغمبر اسی سے ربط رکھتا اور کسب فیض کرتا تھا اس کے برخلاف جدید فلاسفہ ہر آدمی کی شخصیت مخفی کو دوسرے شخص سے علیحدہ قرار دیتے ہیں۔

۲۔ عقل فعال یا سرچشمہ وحی سابق فلاسفہ کے نقطہ نظر سے ایک روحانی موجود ہے جس کی ہستی ہماری ہستی سے الگ ہے، لیکن شعور نا آگاہ جو جدید فلاسفہ کی نظر میں منبع وحی والہام سے جداگانہ موجود نہیں ہے بلکہ اس سے ہماری

شخصیت کے ایک حصے کی تشکیل ہوتی ہے۔

جدید فلاسفہ کے نظریئے کی نارسائیاں

۱۔ فقدان دلیل

اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ عقیدہ علمی نقطہ نظر سے ابھی بچپنے کا دور طے کررہا ہے کہ انسان کی ایک دوسری شخصیت بھی موجود ہے جس کا نام شعور نا آگاہ ہے، اس خیال میں مبہم اور نامعلوم نقطے بہت زیادہ ہیں لیکن اس طرح کی شخصیت کا اصل وجود آج کل علمی مسلمات میں سے سمجھا جاتا ہے، متعدد مختلف قرائن بھی اس کی تائید کرتے ہیں، بنابریں اس نادیدہ شخصیت کے اصل وجود کے متعلق ہم کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔

قابل بحث بات مسئلہ وحی کی ''شعور نا آگاہ' پر تطبیق ہے، ہماری نظر میں اس انطباق کی کوئی دلیل نہیں ہے، شاید مسئلہ وحی کی اس راہ سے توضیح کرنے والوں کا بھی یہ مقصد نہیں تھا کہ ان کی بیان کردہ تفسیر کو یقینی سمجھ لیا جائے۔

یہ لوگ صرف اتنا کہنا چاہتے تھے کہ جدید علوم کی روشنی میں مسئلہ وحی کو یوں حل کیا جاسکتا ہے کہ ''وحی پیغمبروں کے شعور نا آگاہ اور ان کی ان دیکھی شخصیت کا ایک جلوہ ہے۔''

دوسری لفظوں میں علوم طبیعی کے ماہرین کوشاں ہیں کہ فکر انسان جن امور کو شامل ہے انھیں علوم طبیعی کے اکتشافات پر منطبق کیا جائے، ان تمام باتوں کی وجہ علمی انکشافات کے سایے میں بیان کی جائے، یہاں تک کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مبداء عالم کے ساتھ انبیاء کے مخصوص رابطے کی بھی اس طرح وضاحت کریں جو اس دور کے علمی کشفیات کے موافق ہو۔

حقیقتاً یہ حضرات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک عالم طبیعی اگر مسئلہ وحی کو علوم طبیعی اور تجربی کے دریچے سے دیکھے تو اسے تسلیم کرسکتا ہے، کیونکہ نئے علوم میں ایک چیز شعور نا آگاہ کے نام سے ملتی ہے جس کا انطباق وحی کے اوپر ہوسکتا ہے لیکن آیا وحی اسی شعور نا آگاہ کی ایک جھلک ہے اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں؟ اس امر پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اس بنا پر بالفرض اگر وحی کے بارے میں جدید فلاسفہ کے نظریئے پر کوئی دوسرا اعتراض نہ ہوتا ہو تو اس کمزوری سے اس کا پیچھا نہیں چھوٹ سکتا کہ وہ ایک مشکوک بات ہے، قطعی چیز نہیں ہے۔

۲۔ بے جا اصرار

آخر علماء طبیعی کو کیوں اس پر اصرار ہے کہ تمام حقائق عالم، فکر انسانی کے تمام محتویات کی توضیح انہی موجودہ معلومات تجربی کے ذریعہ کریں؟ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ حقائق عالم، اسرار کائنات اس زمانے کے علمی کشفیات میں محدود نہیں ہیں، جب کہ ہمارے معلومات ہمارے مجہولات کے مقابل ویسے ہی ہیں۔ جیسے ایک قطرہ کسی عظیم سمندر کے مقابل یا کوئی ایک صفحہ کسی غیر معمولی ضخیم کتاب کے سامنے تو یہ اصرار قطعاً بیجا اور یہ کوشش یقیناً بے محل ہے۔

علماء طبیعی کے اس عمل کی بالکل وہی شان ہے کہ شہد کی مکھی اپنے انہی محدود معلومات کی مدد سے انسانی علم واطلاع

کے بنائے ہوئے ان عالم پیما راکٹوں کی تیز وتند گردشوں کے رموز کا پتہ چلائے! کیا ہماری عقل شہد کی مکھی کو اس بات کا حق دیتی ہے۔؟

سابق میں بیان کیا گیا کہ ہم اپنے روزمرہ کے سرسری مطالعات میں انہی معمولی جانوروں کے اندر ایسے احساسات وادراکات دیکھتے ہیں جو آج کل کے اصول علمی کے ذریعہ قابل فہم نہیں ہیں، کھلم کھلا اقرار کرنا چاہئے کہ ہم ان کی توضیح سے عاجز ہیں۔

کیوں جانور زلزلہ آنے سے پہلے، ہماری دقیق زلزلہ سنج آلات کی بے خبری کے عالم میں مستقبل کے حادثے سے مطلع ہوکر غیر معمولی طور پر بے چین ہوجاتے ہیں جسے بہت سے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کتابوں میں پڑھا ہے؟

کیوں چمگادڑ اندھیروں میں باخبر ہوجاتا ہے کہ اس کا راستہ صاف نہیں ہے وہ کس طرح کسی مانع سے نزدیک ہوتے ہی پھرتی سے اپنا خط سیر بدل دیتا ہے؟

کیوں مہاجر پرندے جیسے حاجی لق لق ہفتوں بلکہ مہینوں سفر کے عالم میں بسر کرتے، ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ نہ اپنے خط سیر کو گم کرتے اور نہ سمتوں کی تعیین میں دھوکا کھاتے ہیں، حالانکہ ہم صاحب عقل انسان، راہنما، قطب نما یا دوسرے جہالت یابی کے وسائل کے بغیر کوئی طولانی سفر نہیں کر سکتے؟!

آخر ایسا کیوں ہے کہ اگر ہم بہت سے جانوروں کو تھیلے یا بورے میں بند کرکے ایسے دور دراز مقامات پر چھوڑ دیں جہاں وہ کبھی نہیں گئے ہیں تو وہ کچھ عرصے کے بعد اپنے پسندیدہ مسکن کی طرف واپس آجائیں گے۔

یہ اور ایسے نہ جانے کتنے سوالات ہیں جن کا واضح اور صریح جواب علم اب تک نہیں دے سکا ہے جب کہ ہمارے موجودہ علوم جانوروں کے بہت سے احساسات وادراکات کی کوئی وجہ بیان نہ کرسکیں تو ہمیں اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے کہ مسئلہ وحی کو جو عالم ماوراء الطبیعۃ کے ساتھ ایک پراسرار رابطہ ہے ان انکشافات پر منطبق کیا جائے جواب تک علوم تجربی میں ہوچکے ہیں۔

۳۔ خود انبیاء کے ارشادات کے خلاف ہے ''شعور ناآگاہ'' کے ذریعہ وحی کی تفسیر میں ان کمزوریوں کے علاوہ ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ خود انبیاء کے اظہارات اور آسمانی کتابوں کے موافق نہیں ہے، اس سے ادیان ومذاہب کے پیرو ہرگز مطمئن نہیں ہوسکتے کیونکہ اس تشریح کا نتیجہ یہ ہے کہ وحی مبداء عالم سے کسی خاص رابطے کا نام نہیں ہے، انبیاء اپنی جانب وحی شدہ مسائل کا اسی طرح ادراک کرتے تھے۔ جس طرح ہم ان باتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ جن کا سرچشمہ ہمارا ضمیر مخفی اور شعور ناآگاہ ہے، ہم دونوں کے طرز ادراک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کتب آسمانی اور انبیاء ومرسلین کے تعلیمات وارشادات سے جو شخص تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ انھوں نے وحی کو خالق عالم کے ساتھ ایسا مخصوص رابطہ قرار دیا ہے جو دوسرے فکری اور عقلی روابط سے مختلف ہے، اس بنا پر مسئلہ وحی کے متعلق کتب سماویہ اور انبیاء کے

تصریحات جدید فلاسفہ کے خیال سے سازگار نہیں ہیں۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ شعور نا آگاہ کی راہ سے انسان جن مسائل کو معلوم کرے ان میں ہر قسم کی غلطی کا امکان ہے، کیونکہ انسان کے شعور ظاہر کی طرح اس کا شعور باطن بھی غلطیوں سے بالاتر نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان فرق صرف ان کے دائرہ کارگزاری کے محدود اور وسیع ہونے کے لحاظ سے ہے، درآنحالیکہ انبیاء تک وحی کے ذریعہ جو باتیں پہنچیں ان میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔

ان معروضات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وحی کی مذکورہ وضاحت صرف یہی نہیں کہ بے دلیل ہے بلکہ خود انبیاء کے اقوال کے خلاف ہے، بہتر ہے کہ اس مسئلے کو بھی ان بے شمار مسائل کی فہرست میں درج کر دیا جائے جن کے چہرے سے ہمارے جدید علوم کے ہاتھ نقاب نہیں الٹ سکے ہیں، مناسب ہے کہ ''وحی'' کو فی الحال ایک پراسرار رابطے کے نام سے یاد کیا جائے۔

آیا وحی نبوغ فکری ہے

مسئلہ وحی کے متعلق قدیم اور جدید فلاسفہ کے بعض تشریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وحی ایک قسم کا نبوغ فکری ہے۔

اگرچہ بہت سے فلاسفہ نے یہ بات صریحاً نہیں کہی ہے بلکہ اسے ایک خاص فلسفی لباس میں لپیٹنے کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقتاً وہ اسی راستے پر چلے ہیں جسے آج کل بعض لوگوں نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ ''انبیاء اپنے فہم وعقل کے لحاظ سے کچھ غیر معمولی انسان تھے جنھوں نے عالم بشریت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اس مقصد کے لئے احکام وقوانین بنائے''۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء واقعاً دنیا کے انہی بڑے علماء اور فلاسفہ کی فہرست کا جز ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ انھوں نے عام فلاسفہ اور علماء کے طریقے سے مختلف روش انسانی معاشرے کی اصلاح کے واسطے انتخاب کی، وہ اس روش کو زیادہ مفید اور موثر سمجھتے تھے۔

یہ طرز فکر ان مادی فلاسفہ کے انداز تفکر سے بہت مشابہ ہے جو ہر چیز کی حقیقت کو زبردستی اصول مادیت کے موافق بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو لوگ تمام چیزوں کو مادیت کی عینک سے دیکھتے ہیں انھیں انبیاء کے متعلق اسی طرح سوچنا چاہئے۔

اس بحث وحی میں ہمارا روئے سخن مادہ پرستوں کی طرف نہیں ہے، اس وقت ہماری گفتگو ان لوگوں سے ہے جنھوں نے یہ مان لیا ہے کہ اس کائنات کو ایک باارادہ اور باشعور طاقت نے خلق کیا ہے اس کے بعد ہم ہرگز مجبور نہیں ہیں کہ ہر چیز کو مادیت کے تنگ دریچہ چشم سے دیکھیں۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر مادہ پرست مفکرین حقیقت وحی کے بارے میں اس قسم کی باتیں کریں تو جائے تعجب نہیں ہے وہ مجبور ہیں کہ ہر چیز کو اپنے عقیدے کی ترازو سے تولیں، انبیاء کو نوابغ جہاں اور وحی کو نبوغ فکری قرار دیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خدا پرست فلاسفہ ایسا نظریہ قائم کریں اور مسئلہ وحی کو اس طرح حل کرنے کے لئے کوشاں ہوں جس کی بازگشت مادہ پرستوں کے طرز فکر کی

طرف ہو۔

ہماری گزشتہ بحثوں سے واضح ہوا کہ وحی ایک خاص طرح کا ادراک ہے مبداء عالم کے ساتھ ایک مخصوص ارتباط ہے، اس کے اور ہمارے ادراکات کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے، اس قسم کے ادراک اور رابطے کا کسی انسان میں پایا جانا قابل تعجب نہیں ہے، کیونکہ ان جانوروں تک میں جو عالم بشریت سے بدرجہا پست ہیں ایسے ادراکات اور احساسات موجود ہیں جن کی حقیقت کے سمجھنے سے ہم لوگ عاجز ہیں۔

بہرحال جو لوگ وحی کا تعارف نبوغ فکری اور انبیاء کا تعارف نوابغ سے کراتے ہیں وہ دو طبقوں پر مشتمل ہیں، اول مادہ پرست، دوم وہ اشخاص جو انہیں مادیین کے نظریات سے متاثر ہوکر چاہتے ہیں کہ تمام چیزوں کو، یہاں تک کہ ماوراء الطبیعۃ سے متعلق امور کو موجودہ علم النفس اور علوم طبیعی کی مدد سے حل کریں۔

یہ خیال بھی متعدد وجوہ سے قابل اعتراض ہے۔

۱۔ اس دعوے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ وحی ایک قسم کا نبوغ فکری ہے۔

۲۔ ہم نے اپنے گزشتہ معروضات میں وحی کی جو توضیح کی ہے اس کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں ثابت کرتی ہے۔

۳۔ جو لوگ وحی کو نبوغ فکری سمجھتے ہیں انبیاء کے معجزات کا کیا جواب دیں گے۔ جن سے یقینی طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے اور خداوند عالم کے درمیان ایک خصوصی رابطہ موجود ہے جس سے دوسرے افراد انسانی محروم ہیں۔

۴۔ یقینا نبوغ ذاتی نے دنیا میں بڑے بڑے صاحبان ہنر پیدا کئے ہیں۔ تاریخ عالم ایسے شاعروں، انشاء پردازوں، نقاشوں، مصوروں، موسیقی دانوں، معماروں، پہلوانوں اور خطیبوں کے نام پیش کرتی ہے جنھوں نے یا کسی کے ساتھ زانوئے ادب تہہ نہیں کیا، کوئی محنت اور کوشش نہیں کی یا ان کی مختصر تعلیم اور مشق ان کے درجۂ کمال کے لائق نہیں تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے مذکورہ فنون کو ان کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ انھوں نے اپنے اپنے شعبوں میں ابداع وابتکار، خالقیت اور جدت طرازی کے ایسے حیرت انگیز مظاہرات کئے جنھوں نے ان کو سرآمد اقران اور نادرۂ روزگار بنا دیا۔

اس کے برخلاف دنیا کی تاریخ ہمیں کسی ایسے شخص کا نام نہیں بتاتی جس کے فطری نبوغ نے اسے بڑا فلسفی، کسی علم کا ممتاز عالم بنا دیا ہو، ہمارے سامنے کوئی ایک شخصیت پیش کی جائے جس نے بغیر تعلیم پائے یا بہت معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دنیائے انسانیت کو فوز وفلاح کے لئے معاشرتی اقتصادی اخلاقی، سیاسی، انفرادی ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اصول وقوانین بنا دیئے ہوں۔

فکری نبوغ جب آج تک ایک نحوی، ایک منطقی ایک فلسفی ایک قانون دان، ایک سائنس داں نہیں پیدا کر سکا تو کیوں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ''وحی'' عالم ماوراء الطبیعۃ کے ساتھ کسی پراسرار رابطے کا نام نہیں۔ بلکہ وہ ایک قسم کا نبوغ فکری ہے۔؟